سورۃ الضحیٰ پر ایک لمحہ فکریہ

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ (**93**:1–5)

از مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی

(ایک تقریر جو 26 مئی 1956 کے یوم وصال مسیح موعود کی تقریب پر احمدیہ بلڈنگس لاہور میں کی گئی۔)

قرآن مجید دنیا کی ایک بے نظیر کتاب ہے جس کے ساتھ مسلمانوں نے روز اول سے ہر زمانہ میں والہانہ عشق اور محبت کا اظہار کبھی تو اسکی کثرت تلاوت، حفظ و کتابت کے ذریعہ سے کیا ہے اور کبھی اس کے ایک ایک لفظ۔ حرف اور نقطہ پر غور و فکر سے دیا ہے۔ زمانہ نبویؐ میں مرد و عورت جس کثرت کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے، اس کے مضامین پر بحث کرتے اور اوامر پر عمل کرتے تھے اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں اپنی کتاب کے ساتھ نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں میں اگرچہ قلیل عرصہ کے اندر ہی فرقہ پر فرقہ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ ہر فرقہ نے اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے کلامِ پاک کی تفاسیر لکھیں اور سیر حاصل بحثیں کر کے اس کے ساتھ اپنے شغف کا ثبوت دیا جو مختلف تفاسیر کے مطالعہ سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ ان میں ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تردیدی دلائل بھی دیئے ہیں تاہم اس ناگوار طرز خطاب کو ترک کر دیا جائے تو ایک ہی سورۃ پر ان کی طبع آزمائی کا لطف بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔

وَ الضُّحٰی: یہ ظاہر ہے کہ ضحیٰ دن کے اول حصہ کا نام ہے جب سورج افق پر کسی قدر

بلند ہو جائے اور اس کی شعاعیں تیز پڑنے لگیں۔ بعض کے خیال میں یہاں چونکہ رات کے بالمقابل ضحیٰ کا ذکر آیا ہے لہٰذا اس سے مراد سارا دن ہے اور یہ سورۃ مکی سورۃ ہے یعنی مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی۔

وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۔ رات جب لمبی ہو جائے، تاریک ہو جائے یا جب وہ سب کو لپیٹ لے۔

1۔ ان دونوں وقتوں یا وقت کے دونوں حصوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے یا بطور گواہ اور شہادت انہیں پیش کیا ہے۔ ان دونوں کی گواہی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی پر ہے یعنی ''تیرے رب نے تجھے چھوڑ نہیں دیا۔ اور نہ وہ تجھ پر ناراض (اور غصہ) ہوا ہے''، جس کی تشریح بعد میں آئے گی۔ بعض عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ضحیٰ سے مراد رخ انور لیا ہے اور لیل سے مراد آپ کی زلف درازلی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ایک نیک اور پاک انسان کا چہرہ اس کی صداقت پر گواہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

2۔ محبان اہل بیت کا خیال یہ ہے کہ والضحیٰ ذکور اہل بیت ہیں اور لیل اناث کی طرف اشارہ کرتی ہے، یعنی وہ مرد اور عورتیں جنہیں اہل بیت ہونے کا شرف حاصل تھا ان کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی اس پر گواہ ہے کہ ان کا مزکّی اور مربّی ایک بے نظیر کیریکٹر اور اسوہ حسنہ کا مالک تھا کہ جس کے سیماءِ گویا نے اہل بیت کی ساری دنیوی محبتیں سرد کے ان کو سرداران جنت کا مرتبہ دلا دیا۔

3۔ روایاتِ شان نزول کا فیصلہ یہ ہے کہ الضحیٰ آپ کی رسالت کا اور نزول وحی کا زمانہ ہے۔ اللیل احتباس وحی یا کچھ دنوں کے لئے وحی آنا بند ہو جانے کا وقفہ ہے جسے بے سمجھ لوگوں نے خدا کی خفگی اور ناراضگی کا اظہار سمجھ لیا۔ مگر یہی وقفہ جو اگرچہ وحی الٰہی

سے خالی ہے مگر آپؐ کے سچا ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ جھوٹے آدمی کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ وہ ان دنوں میں کوئی اور کلام گھڑ لے۔ دشمنوں کی طعنہ زنی اور آپؐ کا اس سے رنجیدہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا کلام دل کی گھڑنت نہ تھا بلکہ آپ خدا کے بلانے سے بولتے تھے۔

4۔ یہ بھی کہا گیا کہ **الضحیٰ** نور علم ہے جو تاریکیوں کو پاش پاش کرتا ہے اور راز حقیقت منکشف ہوتے اور **اللیل** وہ کمزوریاں اور قصور ہیں جو معاف ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں روشن تر ہوتی جا رہی تھیں اور مخالفین اور مزاحمتیں روز بروز کم ہوتی جا رہی تھیں اور یہ آپ کی حقانیت کی ایک روشن دلیل تھی۔

5۔ بعض نے کہا کہ **الضحیٰ** کمال عقل ہے اور **اللیل** جہالت کی کثرت ہے جو دمبدم مٹتی جا رہی ہے۔

6۔ یہ ترجمہ بھی خوب ہے کہ **الضحیٰ** آپ کی پبلک زندگی ہے جس میں کسی شخص نے کوئی عیب نہیں دیکھا اور **اللیل** وہ نہاں اور خلوت کی زندگی ہے جس میں عالم الغیب نے کوئی گناہ نہیں دیکھا۔

7۔ **الضحیٰ** اقبالِ اسلام کا زمانہ ہے جس میں اسلام روشن ہوتا چلا گیا۔ مگر اس کے ساتھ **بدء الاسلام غریباً** فرمایا کہ اسلام غربت سے شروع ہوا اور **اللیل انہ سیعود غریباً** اس پر ایک زمانہ پھر آئے گا کہ اس پر غربت چھا جائے گی۔ قضا و قدر کا یہ فیصلہ بھی پورا ہو کر رہا۔ کہاں مسلمانوں کا دنیا پر چھا جانے کا عزم اور کہاں:

”میرے مولا بلا لو مدینے مجھے“

کی رٹ۔

8۔ قرآن مجید نے دن کو الضحیٰ سے یعنی دن کے قلیل حصہ سے تعبیر کیا ہے اور اللیل کے ساتھ اذا سجیٰ کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ رات لمبی اور تاریک ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے مگر جب دن چھوٹا ہوتا ہے تو رات لمبی ہوتی ہے۔ مگر کام کرنے والی اور سو کر وقت نہ گذارنے والی قوموں کے لئے اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہر شخص کو چوبیس گھنٹے کا رات اور دن دیا گیا ہے۔ قدرت کسی فرد واحد کے رات دن کی مجموعی مدت میں کمی بیشی نہیں کرتی۔ زندہ قومیں رات کی طوالت سے گھبراتی نہیں، وہ رات کا ایک حصہ کاٹ کر اپنے دن میں ملا لیتی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ دن دین کے دوسرے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے تو آدھی رات کو کاٹ کر اپنی بیداری میں ملا لو اور ہمارے حضور حاضر رہو۔

الضحیٰ کے بعد اللیل کا ذکر کیوں؟ اس سورت میں دو چیزیں ایک دوسرے کے بعد آئی ہیں، پہلے سورج کی روشنی کا ذکر ہے اس کے بعد طویل رات کی شہادت ہے۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں پر مشکلات اور تاریکیوں کا زمانہ تھا اس لئے رات کا ذکر پہلے ہونا چاہئے تھا اور آپ کو تسلی یوں دی جا سکتی تھی کہ عنقریب تم روشنی اور ضحیٰ کا وقت بھی دیکھو گے۔ مگر یہ امر وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کے خلاف ہے۔ ضحیٰ دن کی روشنی پہلے ہے اور رات کی طوالت بعد میں ہے۔ اولیٰ سے مراد ابتداء امر ہے اور آخرت سے انتہاء امر ہے۔ گویا پہلے زمانہ کو ضحیٰ سے تعبیر کیا ہے اس وقت جب بظاہر ہر طرف تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں یہ اشارہ کیا کہ یہ زمانہ گذر جائے گا اور آفتاب رسالت کی شعاعیں چمک اٹھیں گی۔ اس کے بعد ایک زمانہ رات کا ہے جب مسلمانوں میں جدوجہد اور تگ ودو کی زندگی نہ رہے گی اور پھر اسلام کے لئے ایک تاریکی کا زمانہ آجائے گا جس سے بظاہر ایسا خیال پیدا ہو گا اور دشمنان اسلام یہ سمجھنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول

اللہ کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ایسا ہی امت مسلمہ سے ناراض ہو گیا ہے جیسے بنی اسرائیل اور دنیا کی دوسری قوموں سے ناراض ہے اور دین اسلام کی نصرت اس نے چھوڑی ہے مگر اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلعم کو کبھی نہیں چھوڑیگا: **مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى** تیرا رب تجھے ہرگز ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ اور نہ وہ تجھ سے ناراض اور خفا ہوا ہے۔ رات بے شک طویل ہے اور روشنی کی امید ضرور دھندلا گئی ہے مگر اس کے بعد جو زمانہ آنے والا ہے وہ اسلام کی پہلی کامیابیوں سے بھی بڑھ کر ہو گا۔ انگریزی میں ضرب المثل ہے:

All is well that ends well

"جب انجام اور آخرت اچھی ہو تو سب کچھ اچھا ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری زمانہ پہلے سے بھی بڑھ کر کامیابیوں کا زمانہ ہو گا۔ آفتاب اسلام کی ضیاباریوں کے بعد مسلمانان عالم پر ایک طویل رات کا محیط ہو جانا اس امر کی علامت ہے کہ اب اسلام اپنی دوگنی شان وشوکت سے ظاہر ہو گا اور جن ملکوں میں پہنچنے سے پہلے وہ رک گیا تھا اب ان کے اندر پھیل کر رہے گا۔ یہ علم وقدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے جو ظہور پذیر ہو کر رہے گا۔

قرآن مجید اور احادیث سے اس کی تصدیق

اس کے بعد فرمایا: **وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى**

اللہ تعالیٰ کے تجھ سے ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ "یقیناً یقیناً وہ تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا"۔ **ولسوف** میں لام تاکید کا ہے ضرور ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ اس میں نکتہ کی بات یہ ہے کہ "تو اپنی زندگی میں وہ کرتا تھا جو ہم چاہتے تھے اور آخرت میں ہم وہ کریں گے جو تو چاہتا ہے۔" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے تھے وہ صرف ایک ہی

تڑپ تھی کہ قرآن لوگوں تک پہنچ جائے اور اسلام دنیا میں پھیل جائے۔ یہ ایک ہی تمنا تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا تھا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ

"کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے" (**26**:3)

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی تشریح یوں بیان کی گئی ہے:

بدء الاسلام غریباً وسیعود کما بدء الاسلام۔

"اسلام غربت سے شروع ہوا اور وہ پھر اسی طرف لوٹ جانے والا ہے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد مرتبہ یہ بیان ملتا ہے کہ اسلام کی شان و شوکت کے بعد پھر ایک زمانہ مسلمانوں پر ادبار کا آنے والا ہے اور وہ سکون و جمود کی ایک لمبی رات ہے چنانچہ ایک جگہ یوں فرمایا:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

"وہ اس امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرے گا (یعنی زمین پر اسے مضبوط کر دیگا) پھر وہ اس کی طرف چڑھ جائے گا ایک دن میں جس کا اندازہ ایک ہزار برس ہے جو تمہاری گنتی ہے۔" (**32**:5)

فی یومٍ کا لفظ بتاتا ہے کہ رکاوٹ کا زمانہ صرف ایک ہزار سال ہے۔ اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم

”میری صدی سب سے بہتر ہے اور پھر اس کے بعد دوسری صدی جو اس کے ساتھ ملتی جائے پھر اس کے ساتھ تیسری صدی جو اس کے ساتھ ملتی آئے گی۔“

پس وہ تین **قرن** جنہیں حضورؐ نے اسلام کی مضبوطی کا زمانہ قرار دیا تین سو سال ہیں کیونکہ **قرن** کی میعاد سو سال ہی مانی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کذب وغیرہ ظاہر ہو جائے گا۔ **فیج اعوج** اس زمانہ کا نام دیا گیا ہے جس میں مسلمان اس اعلیٰ حالت سے گر جائیں گے اور نتیجہ اسلام کی ترقی رک جائے گی۔

اسلام کی ترقی کا زمانہ علمی ترقیوں کا زمانہ ہے۔ مستشرقین نے بھی اس امر کو بیان کیا ہے کہ اسلام کی ترقی کا زمانہ پہلی تین صدیوں تک ہے اس کے بعد علمی رنگ میں تنزّل شروع ہو جاتا ہے۔

اسلام پر دو حملے

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ امر بھی کھلتا ہے کہ اسلام پر ایک حملہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا۔ مگر ایک حملہ جو اس پر پھر ہونے والا تھا یعنی کفار عرب کے علاوہ آخری زمانہ میں اس پر ایک اور زبردست حملہ جس میں دنیا کی مضبوط ترین قومیں اسلام کو مٹانے کی کوشش کریں گی۔ یہ عیسائیت کا حملہ ہے جس سے مسلمانوں کو پہلے ہی سے خبر دار کر دیا گیا ہے۔ فرمایا: لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ”تا کہ تو اس کی طرف سے عذاب عظیم سے ڈرائے“ (**18**:2)۔ یہ ایک عام انذار ہے۔ مگر اس کے بعد فرمایا: وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ”اور انہیں ڈرا جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے“ (**18**:4)۔

یہ جو دوسرا انذار ہے جو خاص ہے اور اس میں صفائی سے بتا دیا کہ یہ خدا کا بیٹا بنانے والوں کا حملہ ہے۔

اسلام پر دو حملے اور دو کامیابیاں

قرآن مجید میں کئی ایک جگہ اسلام کی دو کامیابیوں کا ذکر آتا ہے۔ کسی جگہ یہ فرمایا کہ محمد رسول اللہ امیوں کا معلم اور مزکی ہے تو ایک اور قوم بھی آنے والی ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی، آپ ان کے معلم اور مزکی بھی ہیں (62:2–3)۔ پھر جس طرح زمانہ اولیٰ اور اُخروی میں اسلام کے لئے دو کامیابیاں مقدر ہیں اسی طرح اسلام پر مشکلات اور تنگی کے زمانے کے جنہیں دین اسلام پر زبردست حملے ہوں گے۔ یہی دو زمانے ہیں چنانچہ فرمایا:

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾

تم پر ایک تنگی کا زمانہ ہے پھر آسانی کا زمانہ آئیگا، پھر تنگی کا وقت آئیگا جس کے بعد آسانی ہو گی (94:5–6) گو یہ دوسرا تنگی کا زمانہ بہت لمبا ہے، جیسا کہ فرمایا ایک ہزار برس تک یہ حالت رہے گی اس کے بعد اسلام کی نئی کامیابیوں کا زمانہ شروع ہو گا۔ اور اس کی عظیم الشان فتوحات کا دروازہ کھل جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ کے ذریعہ جو فتوحات ہوئیں وہ آنحضرت صلعم کی ہی کامیابی تھی۔ عرب کی تسخیر کے بعد اسلام مشرق اور مغرب میں پھیلتا چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری کامیابی آخری زمانہ میں کامیابی ہے جو اس حقیقت کی ترجمان ہے **لانك تفعل فیھا ما نرید** اس زمانہ اولیٰ میں ”تو وہ کرتا تھا جو ہم چاہتے تھے“ مگر آخرت میں **لانا نفعل ما ترید**۔ ”ہم وہ کریں گے جو تو چاہتا ہے“۔ ہم ساری دنیا کو تیرے قدموں میں جمع کریں گے۔

یہ زندگی دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرۃ اسی دنیا سے دار الجزاء بنا کر آئندہ آخرۃ کی کامیابی کیلئے اسے دلیل بنا دیا۔ یہاں تک تجھے نعماء دے گا کہ تو راضی ہو جائیگا۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں۔ وَدَّعَكَ میں تخفیف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بالکل نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔ تجھے نہ چھوڑنے کی دلیل یہ ہے کہ تجھے تو کیا، تیری امت کو بھی نہیں چھوڑا اور نہ اس پر ناراض ہو گا۔ امت پر ناراضگی کا ثبوت یہ ہے کہ امت میں صلحاء اور مجددین پیدا نہ ہوں اور ناراض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس امت میں مجدد اور محدث انبیاء بنی اسرائیل کی مانند پیدا ہوتے رہیں گے۔ اگر حوارین حضرت مسیحؑ، حضرت موسیٰؑ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی والدہ پر وحی ہو سکتی ہے باوجود اس کے کہ وہ نبی نہ تھے تو اس امت میں کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ نہ کرنا صریحاً اظہار ناراضگی کی دلیل اور اس امت کو مطلقہ عورت قرار دینا ہے جیسا کہ بائبل کی اصطلاحات اور محاورہ کلام سے ظاہر ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی: تجھے تیرے رب نے ہرگز نہیں چھوڑا نہ قیامت تک اور نہ مابعد قیامت کبھی چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا محمدؐ رسول اللہ صلعم کو چھوڑنا اور الوداع کہنا اور امت کو اولیاء اللہ اور مجددین سے محروم رکھنا دونوں لازم وملزوم امر ہیں۔ خدانخواستہ اللہ تعالیٰ نے اگر محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی مدد کرنا چھوڑ دیا ہے تو یقیناً وہ آپؐ پر اور آپؐ کی امت پر ناراض ہو گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں اس قدر شدت ہے کہ اس کا خلاف ناممکن ہے۔ ضرور ضرور وہ تجھے اس قدر انعام دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا اور وہ انعام محمد صلعم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے

کہ تعلیم یافتہ اور عقلمند لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوں اور یہ کوئی امر محال اور ناممکن امر نہیں۔

اس وعدہ الٰہی کو پورا کرنے کیلئے مجدد اعظم کو کھڑا کیا گیا اور اس نے ایک جماعت کی بناڈالی کہ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی قرآن مجید اور اسلام کو دنیا کی تمام قوموں تک پہنچا کر اس آخری کامیابی کا سہرا آنحضرت صلعم تک پہنچایا جائے۔ مبارک ہے وہ جو اس میں مدد دیتا اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیتا ہے۔

— از رسالہ 'روحِ اسلام'، لاہور، جون 1956، صفحہ 33 تا 37